# حضرت سید احمد شہید

پروفیسر فری لینڈ ایبٹ[1]

شاہ ولی اللہ صاحب کی کوششوں سے، سوائے اس کے کہ انہوں نے جن قوتوں کو منظم کرنے میں حصہ لیا تھا، انہیں میدان پانی پت میں ایک عارضی فتح حاصل ہو گئی، برصغیر پاک و ہند میں کسی قابل ذکر حد تک مسلمانوں کا زوال نہ رک سکا۔ بے شک شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادوں نے ایک حد تک ان کی تعلیمات کے سلسلے کو جاری رکھا اور ان میں سے دو نے تو قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ بھی کیا غرض شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادوں کی بدولت علوم اسلامیہ کا مکتب دہلی بدستور چلتا رہا۔

---

[1] پروفیسر فری لینڈ ایبٹ کے ایک مضمون کا ترجمہ و خلاصہ جس کا عنوان "سلطنت مغلیہ کا زوال اور شاہ ولی اللہ" تھا" الرحیم کے مئی ۶۲ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ یہ مضمون جس کا یہاں ترجمہ و خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے امریکہ کے مشہور رسالہ "دی مسلم ورلڈ" کے جولائی ۶۲ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

اس مضمون کے مندرجات سے ہمیں اتفاق نہیں۔ یہ ایک دوسرے مذہب اور دوسرے ملک کے صاحب قلم کا حضرت سید صاحب شہید کا تاریخی تجزیہ ہے۔ اور ظاہر ہے اس نے اپنے نقطۂ نظر سے لسے کیا ہے، اگر کوئی صاحب اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہیں تو الرحیم کے صفحات حاضر ہیں۔ (مدیر)

اس عہد میں برصغیر کے مسلمان زعماء اسلامی احیاء چاہتے تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو مسلم سیاسی طاقت کی بحالی کے علاوہ کسی اور شکل میں اس کا تصور کر سکتا۔ گو مسلمان اپنی مذہبی قوت کا اندازہ برابر اپنی سیاسی طاقت ہی سے لگاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے، کہ مسلمان علمائے دین کے نزدیک ان فوجی شکستوں کو روکنے میں ناکامی کی وجہ سے مسلمانوں کے سیاسی وقار اور ان کی مذہبی قوت دونوں پر زد پڑ رہی تھی، مسلمانوں کے زوال کو روکا جا سکتا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی عظمت یہ ہے کہ اس بارے میں ان کی نگاہ بہت گہری گئی اور ایک حد تک ان کی ناکامی کی وجہ بھی یہ ہوئی کہ ان کے معاصرین میں سے بہت کم کو یہ توفیق ملی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اسلام کو ایک ایسے عرب کی نظر سے نہیں دیکھا۔ جو ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ نما عرب کو متحد کرنے میں کوشاں ہو۔ بلکہ انہوں نے اسلام کو ایک ایسے غیر عرب کی نظر سے دیکھنے پر اصرار کیا، جو ایک ایسی سرزمین میں رہتا اور اس میں حکمران ہے، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں شاہ صاحب کے حقیقی اسلام کو دیکھنے کے نقطۂ نظر میں جو وسعت ہے وہ واقعی غیر معمولی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اس امر پر یقین تھا کہ مسلمانوں کا زوال اس وقت تک نہیں روکا جا سکتا جب تک کہ انہیں جنگ کے میدانوں میں فتوحات حاصل نہ ہوں، ورنہ کفار کا سیلاب انہیں ہر جگہ سے بہا کر لے جائے گا چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے سپاہیوں پر زور دیا کہ وہ غیر اسلامی عادات ترک کریں اور اپنے اندر جہاد کی روح پیدا کریں۔

جنوبی ہند میں میسور کے فرماں روا سلطان ٹیپو نے اپنے فوجیوں میں اسی جذبہ جہاد کو بیدار کر کے انگریزوں کی مخالفت کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود کئی بار اس نے اپنے مقابلے میں نظام حیدرآباد کی مسلمان فوجوں کو معرکہ آرا پایا اور اس ضمن میں اسلام کی اپیل چنداں کام نہ آئی۔ چنانچہ ۱۷۹۹ء میں وہ انگریزوں کے خلاف لڑتا مارا گیا۔

شمالی ہند میں جہاد کے ذریعہ اسلام کے احیاء کا خیال ایک مسلمان حکمران کے بجائے ایک پیشہ ور سپاہی[1] کو ہوا جن میں اسلام کا احساس بڑا گہرا پر خلوص اور شدید تھا۔

---

[1] مصنف کا حضرت سید احمد شہید کو پیشہ ور سپاہی کہنا بہت (باقی حاشیہ ص پر)

سید احمد شہید شاہ ولی اللہ کی وفات کے چھبیس سال بعد ۱۷۸۶ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ چار سال چار ماہ اور چار دن کے تھے کہ مکتب میں داخل ہوئے، اور تین سال وہاں تعلیم پائی۔ بارہ سال بعد وہ دہلی گئے، وہاں دو سال تک شاہ عبدالقادر سے پڑھا اور شاہ عبدالعزیز سے بیعت کی۔ اس کے بعد جب وہ وطن لوٹے تو ان کا ایک خدارسیدہ شخص کی حیثیت سے استقبال کیا گیا۔ یقیناً کچھ تو ان کے مثالی اخلاق کی وجہ سے اور کچھ اس بنا پر کہ شاہ عبدالعزیز ایسے مشہور بزرگ سے استفادہ کر چکے تھے۔ دو سال بعد وہ نواب امیر خاں کی رسالہ فوج میں شامل ہو گئے۔ اور سات سال وہاں رہنے کے بعد اداں وہ شاہ عبدالعزیز کے پاس دوبارہ دہلی پہنچے اور انہی کے کہنے پر ان کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے داماد مولانا عبدالحیٔ نے سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت کی یہاں سے آپ کی دعوت کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ اور ہزارہا ہزار آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

سید احمد شہید کے مسلک کو "طریقۂ محمدیہ" کا نام دیا گیا۔ بعض مسلمانوں نے تو اسے عرب کی وہابی اصلاحی تحریک کی ہندوستانی شکل قرار دیا، جس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر اسے کہیں سے کہیں ملا دیا۔ بعض کے نزدیک "طریقۂ محمدیہ" ہندوستانی مسلمانوں کا ایک نیا طریقۂ تصوف تھا۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک تصوف کو لئے ہوئے اسلام کے احیاء کی تحریک تھی، جو اجتہاد کی اہمیت پر زور دیتی اور قرون وسطیٰ کے فقہاء کے فتووں کی اندھی تقلید کے اصول کا انکار کرتی تھی۔ اس میں اور عرب کی مشہور وہابی اصلاحی تحریک میں بہت سی باتوں میں مشابہت تھی سوائے اس کے کہ اس میں تصوف کا عمل دخل بالکل نہیں تھا۔ درحقیقت سید احمد شہید اس اشتراکی احتجاج کے سلسلہ کو جو شاہ ولی اللہ نے اپنے زمانے کے جمود خاص طور سے حنفی فقہ کی سخت گیری کے خلاف کیا تھا۔ آگے بڑھا رہے تھے۔ جس طرح شاہ ولی اللہ سماجی شعور رکھنے والے ایک صوفی تھے، اسی طرح سید احمد شہید خالص اسلام کے ایسے داعی تھے جو تصوف سے متاثر ہو۔

---

(بقیہ حاشیہ) بڑی زیادتی ہے حضرت سید صاحب نواب امیر خاں کی فوج میں شرکت پیشہ ورانہ بنیاد پر نہ تھی بلکہ اس کا مقصد برطانیہ کے خلاف جدوجہد میں عملی حصہ لینا تھا۔ (مدیر)

شاہ عبدالعزیز نے ایک دفعہ فتویٰ دیا تھا کہ انگریزی زبان پڑھنے یا ایسے سکولوں میں تعلیم پانے میں جہاں انگریزی زبان پڑھائی جاتی ہے، کوئی حرج نہیں، لیکن ان جیسے بزرگ کی یہ سند بھی اس مدافعتی ردعمل کی اس زبردست لہر پر جس کی عملی مظہر سید احمد شہید کی ذات تھی اثرانداز نہ ہو سکی [۱] اس زمانے میں اکثر مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے میں یہ خطرہ نظر نہیں آتا تھا کہ اس سے جدید سائنس یا مادیت کی راہ کھل جائے گی بلکہ وہ اسے عیسائیت قبول کرنے کی راہ کا پہلا قدم سمجھتے تھے۔

شاہ ولی اللہ کی طرح سید احمد شہید پر بھی یہ بات بالکل واضح تھی کہ مسلمانوں کو جو وعظ ونصیحت کر رہے تھے نہ تو سکھوں کو وہ متاثر کر سکتی تھی، نہ عیسائیوں ہی کو، چنانچہ وہ حتمی طور سے اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کو نئی زندگی بخشنے اور مسلمانوں کی حیثیت کو بہتر بنانے کے لئے وعظ ونصیحت اور محض عقیدت مندوں کو اپنے اردگرد جمع کرنے سے کچھ زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس وقت تک احیائے اسلام کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں، جب تک کہ ایک صحت مند سیاسی اور معاشرتی ماحول پیدا نہیں ہوتا، سید احمد شہید کو یقین تھا کہ اس کی واحد صورت صرف جہاد ہے۔ آپ کا اس سلسلے میں جہاد پر زور دینا ہی وہ خصوصیت ہے، جو آپ کو دوسرے صوفیہ سے ممتاز کرتی ہے۔

حج سے واپسی کے دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں سید احمد شہید نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ جہاد دیکھنے میں تو بڑا اچھا لگتا تھا لیکن عملاً زیادہ کامیاب نہ تھا اس وقت اتنی بڑی تعداد میں حقیقی اسلام کے نام لیواؤں کا اس قسم کی مذہبی جنگ کے بارے میں اس قدر جوش و خروش یہ بتاتا ہے کہ مسائل کو عقلی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا وہاں کتنا فقدان پایا جاتا تھا جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو باوجود اپنی بڑی اعلیٰ تربیت یافتہ فوج اور اچھی قیادت کے اپنے ہم مذہب مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ بے شک وہاں اس کی راہ میں بڑی مشکلات تھیں لیکن ادھر شمالی ہند میں تو مشکلات اور بھی زیادہ تھیں۔

---

[۱] سر سید احمد خاں کے مذہبی افکار۔ از بی اے ڈار (انگریزی)

اس معاملے میں سید احمد شہید کی مثال پوپ پائس پنجم سے زیادہ مختلف نہیں، پوپ مذکور نے ۱۵۶۹ء میں فیصلہ کیا کہ اگر کیتھولک مذہب کو انگلستان میں بچانا ہے، تو اسے لامحالہ کوئی عملی اقدام کرنا ہوگا۔ چنانچہ اس نے انگلستان میں باغیوں کی حوصلہ افزائی کی اور ۱۵۷۰ء میں نہ صرف انگلستان کی ملکہ الزبتھ کو عیسائیت سے خارج کرنے کا اعلان کیا، بلکہ اسے تخت و تاج سے بھی محروم کرنے کا بھی حکم صادر کر دیا۔ پوپ پائس پنجم نے یہ اقدام اپنے بعض ان پیش روؤں کی تقلید کیا، جو وہ اس سے پہلے زمانے میں یورپ کے بادشاہوں کے خلاف کیا کرتے تھے۔ لیکن ۱۵۷۰ء کا یورپ ۱۲۰۰ء کا یورپ نہ تھا قرون وسطیٰ کے اس سب سے بڑے پاپائی ہتھیار سے ملک انگلستان کو کیتھولک مذہب کو دوبارہ لانے کے لئے الٹی مدد ملی۔ میری ملکہ سکاٹ لینڈ جو الزبتھ کے مقابلے میں کیتھولکوں کی نمائندہ تھی، قتل کر دی گئی۔ انگلستان کے کیتھولکوں پر بڑی سختی کی گئی اور انگریزوں کا قومی جذبہ ملکہ الزبتھ کی حمایت میں بہت زیادہ جوش میں آ گیا لیکن اس کے سوا اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا یا تو پوپ مذکور خاموشی سے انگلستان میں پروٹسٹنٹ فرقے کی فتح تسلیم کر لیتا یا وہ یہ اقدام کرتا اسی طرح سید احمد شہید کے لئے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو خاموشی سے اسلام کا زوال اور سکھوں اور انگریزوں کی برتری تسلیم کر لیتے یا وہ یہ اقدام کرتے پوپ پائس پنجم کیتھولک مذہب کی خاطر لڑ رہا تھا۔ اس کی یہ لڑائی کسی خاص بادشاہ یا حکمران کے لئے نہ تھی اور ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس لڑائی میں اس نے وہی طریقے اختیار کئے۔ جو ان حالات کے لئے اس کے مذہب نے معین کر رکھے تھے۔ سید احمد شہید بھی اسلام کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور ان کی یہ لڑائی مغلوں اور شاہی خاندان کے لئے نہ تھی۔ اور اس لڑائی میں انہوں نے وہی کچھ کیا جو اسلام کا معین کردہ تھا۔ ہو سکتا ہے ان دونوں مذہبوں نے اور کوئی متبادل طریقہ ہائے کار بھی پیش کئے ہوں۔ اور وہ ان مخصوص حالات میں کامیاب ہوتے لیکن یہ واقعہ ہے کہ نہ پوپ مذکور کو اور نہ سید احمد شہید کو اس وقت یہ طریقے سوجھے ان دونوں نے ایک منفی رویہ اختیار کیا، جب کہ زمانہ مثبت رویئے کا متقاضی تھا۔ پوپ پائس پنجم کی طرح سید احمد شہید سے بھی غلطی ہوئی۔ وہ حالات جن کی بنا پر قرون وسطیٰ میں عیسائیت سے خارج کر دینا اور تخت و

تاج سے محروم قرار دینا موثر ہوتا تھا۔ وہ اب نہیں رہے تھے۔ اسی طرح قرون وسطیٰ کے وہ حالات جو جہاد کو کامیاب کرنے کا باعث تھے، وہ اب نہیں رہے تھے۔

جنگی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس جہاد کے بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن بعد میں اس کے جو اثرات ہوئے انہوں نے انگریزوں کو کافی خوف زدہ رکھا۔ سید احمد شہید نے کوئی پانچ چھ سو رفقاء کے ساتھ یہ جہاد شروع کیا آپ نے میران سندھ سے مدد چاہی۔ لیکن وہ آپ کے بارے میں کچھ شکوک رکھتے تھے۔ بہاولپور کے حکمران نے اس معاملہ میں کوئی واضح موقف اختیار نہ کیا باوجود اس کے کہ اس کی رعایا کا سید صاحب کی طرف پر جوش رجحان تھا سردار بلوچستان کو جہاد سے دلچسپی ضرور تھی لیکن اس نے عملاً کوئی مدد نہ کی۔ مسلمان امراء کی طرف سے سید احمد شہید کے جہاد میں حصہ نہ لینے کی یقیناً یہ وجہ ہوگی کہ آپ نے اس سلسلے میں کوئی خاص تیاری نہ کی تھی۔ سید صاحب کی ایک باقاعدہ سپاہی کی سی فوجی ٹریننگ نہیں ہوئی تھی وہ ایک بے قاعدہ سپاہی کی حیثیت سے لڑ چکے تھے۔ اور ان کی جذباتی افتاد کچھ ایسی تھی کہ وہ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے کہ یہ جنگ بے قاعدہ سپاہیوں کی نہیں ہے۔ آپ بلوچستان سے افغانستان گئے اور وہاں سے فوجی مدد چاہی۔ اگرچہ وہ افغانستان سے چند سو سپاہیوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن وہاں انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ خود مسلمان آپس میں بٹے ہوئے ہیں ان کا خیال تھا کہ جیسے ہی جہاد کا اعلان ہوگا مسلمان ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ان کے پاس جمع ہو جائیں گے۔

سید احمد شہید کا جہاد شروع سے لے کر آخر تک ایک مقصد کے ماتحت تھا اور ان کے سپاہیوں کی جو حالت تھی، اس کے پیش نظر یہ اس کے سوا اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنی کامیابی کے انتہائی عروج میں آپ نے اپنی امامت قائم کی۔ تو جہاد جاری رکھنے کے لئے ایک مرکزی تنظیم تھی اگرچہ سید صاحب کو امام مان لیا گیا، لیکن کسی بھی سردار نے اپنا کوئی اختیار سید صاحب کے حوالے نہیں کیا۔ اور اس طرح جہاد کی مہم بے ترتیب ہی رہی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا انہوں نے اپنے ارد گرد اسی ہزار آدمی جمع کر لئے وہ کبھی بھی قبائلیوں کی جن پر ان کا سب سے زیادہ انحصار تھا پوری طرح وفاداری حاصل نہ کر پائے انہوں نے سید صاحب کو

کھانے میں زہر دیا۔ وہ عین لڑائی میں ان کا ساتھ چھوڑ دیتے اور سکھوں سے مل جاتے۔ سید احمد شہید کی فوجوں میں نہ تو نظم و ضبط تھا اور نہ اتحاد و یک جہتی۔ مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے پہاڑی گاؤں میں وہ اچانک گھر گئے اور وہ ان کے مرید شاہ اسماعیل شہید اور دوسرے چھ سو ساتھی سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

سید احمد شہید کے جہاد کے پہلے مرحلے کا یہ انجام ہوا۔ اگرچہ یہ ناکام رہا، لیکن یہ پہلی کوشش تھی کہ مسلمان عوام سے ان کے حکمرانوں کو نظرانداز کر کے براہ راست جہاد کی اپیل کی گئی تھی۔ سید صاحب نے جن اسلامی اصولوں کی دعوت دی تھی، وہ سب کے سب آسان زبان میں منتقل کئے گئے تاکہ اس طرح عوام سے اپیل ہو سکے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسی زمانے میں چونکہ ہندوستان میں اردو فروغ پانے لگی تھی، اس سے سید احمد شہید کی دعوت کو بڑی مدد ملی۔

سید صاحب کی دعوت کے مقبول عام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ دعوت اس اس زمانے سے ہم آہنگ تھی یہ زمانہ دنیا کے اکثر اور حصوں کی طرح ہندوستان میں بھی مذہبی اصلاح کا تھا۔ ہندوؤں میں برہمو سماج کی تنظیم کے تحت اس قسم کی مذہبی اصلاح کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اس مذہبی بیداری کو عام طور سے ان عیسائی مشنریوں کا ردّ عمل بتایا جاتا ہے، جو شروع شروع میں یہاں آئے تھے۔ برہمو سماج (خدائی سماج) تو صاف عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا جواب معلوم ہوتا ہے، چونکہ اس کی نوعیت یہ تھی اس لئے لازمی تھا کہ برہمو سماج کی یہ تحریک محض مدافعانہ نہ ہو، چنانچہ رام موہن رائے نے اخلاقی وحدانیت پر زور دیا جس کا سراغ انہیں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ملا تھا اور یہ اخلاقی وحدانیت ایک طرح کا مثبت نظام دینیات تھا۔ جس سے عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کی مذہبی اصلاحی تحریک کا تعلق ہے، اس کی جڑیں اور آگے جاتی ہیں۔ ظاہر ہے نہ شاہ ولی اللہ اور نہ ان کے دونوں صاحبزادوں شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر پر عیسائی افکار کا کوئی اثر پڑا تھا۔ رام موہن رائے نے جس چیلنج کا مقابلہ کیا، اس سے بالکل مختلف چیلنج مسلمانوں کی مذہبی بیداری کو درپیش تھا اور اس کا جواب انہوں نے یہ ڈھونڈا کہ

ابتدائی یعنی قرنِ اوّل کے اسلام کی طرف لوٹا جائے اس وقت عام طور سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہر مسلمان اس حقیقی اسلام سے واقف ہے۔ یہ تو انیسویں صدی کے اواخر میں سرسید احمد خاں ہی تھے، جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کے معاملے میں نئی چیزوں پر زور دیا اور اس کی نئی تعبیر کی۔ سید احمد شہید نے تو اسی اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے اپنے بزرگوں سے پڑھا تھا وہ انہیں اسلامی روایات کے حامل تھے جو ان کے نزدیک صحیح معنوں میں اسلامی روایات تھیں۔ اس ضمن میں انہوں نے صرف اتنا کیا کہ انہیں ایک نئی تنظیمی شکل دی اور اس کے لئے عوامی اپیل فراہم کی۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ بات بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کے بعض گروہوں نے جس جوش و خروش سے سید احمد شہید کی دعوت کو لبیک کہا، اس کا ایک محرک وہ ردّعمل بھی تھا، جو عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے ان گروہوں میں پیدا ہوا تھا اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ سید احمد شہید کے معتقدین پورے شمالی ہند میں کافی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے، ان علاقوں میں بھی جہاں عیسائی مشنری سرگرم کار تھے، اور وہاں بھی، جہاں ان کی دسترس نہ تھی۔
وہ مسلمان حکمراں جنہوں نے اس بنا پر سید احمد شہید کے جہاد میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا کہ اس کے لئے پوری تیاری نہ کی گئی تھی، صحیح ثابت ہوئے۔ بھلا سید صاحب کے لشکر کا سکھوں کی ڈسپلن اور نظم و ضبط رکھنے والی، ہتھیاروں سے مسلح اور قابل افسروں کے ماتحت فوج سے کیا مقابلہ[1]۔ لیکن اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کے باوجود سید احمد شہید مسلمانوں کے ایک بہت بڑے حصے میں بے حد ہردلعزیز تھے۔ اور ان کی شہادت کے بعد اس ہردلعزیزی میں اور بھی اضافہ ہوگیا بات یہ ہوئی کہ چونکہ میدان جنگ میں سید صاحب کی نعش نہیں ملی تھی، اس لئے یہ مشہور ہوگیا کہ وہ زندہ بچ کر نکل گئے ہیں اور نئے سرے سے جہاد کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں اس عقیدۂ غیبت کی بعد میں پھر شہرت ہوئی۔ اور جہاں تک

---

[1] سکھوں کے بعض فوجی دستے ان یورپی افسروں کے تربیت یافتہ اور ان کی کمان میں تھے جو نپولین بوناپارٹ کی جنگوں کے بعد یورپ سے نکل کر ادھر ادھر قسمت آزمائی کر رہے تھے۔

سید صاحب کی نعش نہ ملنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ میدان جنگ ہی میں پہچان لی گئی تھی اور سکھوں نے اسے جلا دیا تھا۔

سید احمد شہید کے جہاد کی ناکامی نے بڑے واضح طور سے اس حقیقت کو ثابت کر دیا کہ ہندستان کے مسلمان متحد نہیں ہیں، انہیں اپنی دعوت اور جہاد کے دوران ہمیشہ مولویوں کے ایک گروہ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جو مذہب میں ان کے اصلاحی مسلک کو ناپسند کرتا تھا۔ اب جہاد کے لئے اتحاد و یک جہتی کی ضرورت تھی کیونکہ اسی سے ایک جماعت میں قوت پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا ہندوستان کے مسلمانوں میں مجدد الف ثانی کے دور سے پہلے ہی سے فقدان تھا۔

سید احمد شہید کی شہادت کے بعد اگرچہ ان کی جماعت کی تنظیم برابر بروئے کار رہی، لیکن وہ تین گروہوں میں بٹ گئی۔

---

قرآن مجید کا ترجمہ، "فتوح الغیب" کی توحید اور جہاد اپنے اصلی معنوں میں یہ تھا ہمارا مقصد جس پر ہم نے اپنی علمی سرگرمیوں کا مدار رکھا امروٹ (ضلع سکھر) میں ہم یہی چیز پڑھاتے رہے مسئلہ جہاد کی توضیح اور اس کی تعبیر کے لئے ہمیں امام ولی اللہ، امام عبدالعزیز اور شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے ساتھیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پڑھانے کی ضرورت پڑی بات یہ تھی کہ جہاد کو محض عقلی طور پر سمجھا دینا ہمارے نزدیک کافی نہ تھا ہم چاہتے تھے کہ طلبا کے سامنے اس کا عملی طریقہ بھی پیش کریں اور سب جانتے ہیں کہ امام ولی اللہ سے لے کر مولانا اسمٰعیل کی شہادت تک اس خاندان کا جہاد کے واقعات سے خصوصی تعلق رہا ہے ہم نے دیوبند میں زمانہ طالبعلمی کے دوران میں اس خاندان والاتبار کے حالات بزرگوں سے سنے تھے چنانچہ اب جو ہم نے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تو ہم یہ کرتے کہ پہلے تو قرآن مجید سے جہاد کا مسئلہ طلبہ کو سمجھاتے پھر صحیح احادیث سے اس پر روشنی ڈالتے پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے حالات زندگی اس بارے میں پیش کرتے اور اس کے بعد امام ولی اللہ کے طریقہ سے اس جہاد کو منطبق کرتے اور آخر میں طلبہ پر واضح کرتے کہ کس طرح آج کے زمانے میں موجودہ حالات کے مطابق جہاد کا یہ حکم قابل عمل ہو سکتا ہے۔

(مولانا عبید اللہ سندھی)